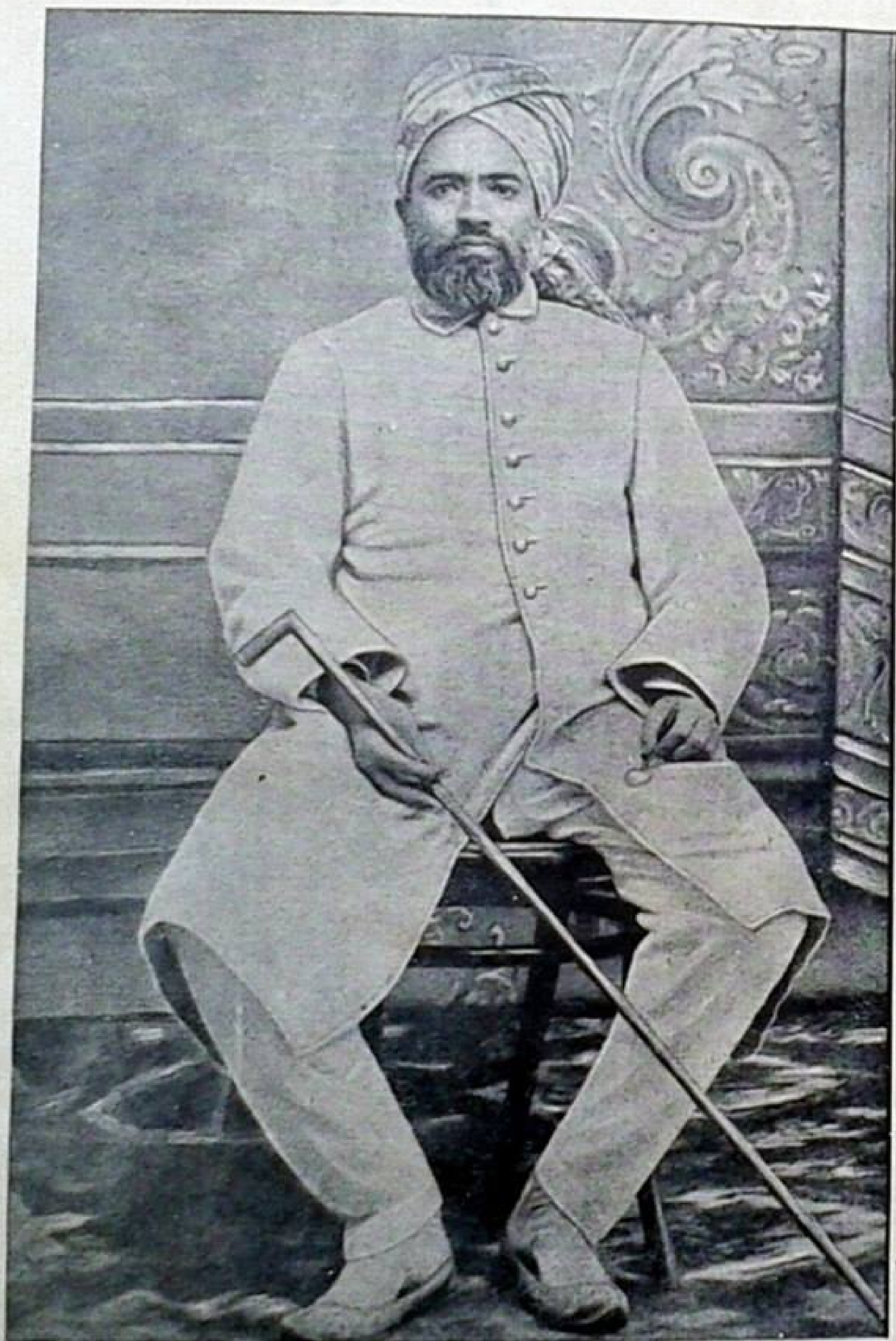


پیرزادہ محمد حسین عارف مہمی ۱۸۵۶–۱۹۲۸ء

پیرزادہ محمد حسین عارف

ولادت : ۱۰ محرم ۱۲۷۳ھ ۱۰ ستمبر ۱۸۵۶ء سهم ضلع رهتک

وفات : ۷ شوال ۱۳۴۶ھ ۳۰ مارچ ۱۹۲۸ء دهلی

پنجاب یونیورسٹی کے پہلے ایم۔اے فارسی، خان بہادر پیرزادہ محمد حسین ایم۔اے، سی۔آئی۔ای مشرق تہذیب و شرافت کے ایک قابل تقلید نمونہ ہونے کے علاوہ ایک اعلیٰ پایہ کے مترجم، قانون دان، ریاضی دان، ماہر فلسفہ اور پاکیزہ گو شاعر تھے۔ دهلی دربار رپورٹ ۱۹۱۱ع کے صفحہ ۳۸۱ پر آپ کا تعارف اس طرح کرایا گیا ھے۔ ترجمہ :

"پیرزادہ محمد حسین خان صاحب (۱۸۹۷ع)، خان بہادر (۱۹۱۰ع) پنجاب یونیورسٹی کے ایم۔اے (۱۸۹۳ع)، ڈویزنل اینڈ سیشن جج حصار۔ آپ سهم ضلع رهتک کے قدیم اور معزز قریشی خاندان سے ھیں۔ دهلی کے پٹھان سلاطین اور مغل شاهنشاهوں کے ماتحت اس خاندان کے متعدد افراد اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے ھیں۔ اضلاع حصار، رهتک، گوڑگاؤں کے مسلم راجپوتوں کو حلقہ بگوش اسلام کرنے میں اور ان کی اصلاح کرنے میں اس خاندان نے نمایاں کام کیا ھے۔ پیرزادہ محمد حسین خان کئی کتابوں کے مصنف ھیں۔ آپ نے علم ھئیت، علم سکون سیالات، اصول قانون، دستور، معاشیات اور فلسفہ کی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرکے اردو ادب کو مالا مال کر دیا ھے"۔

خاندان | زبدۃ الاولیا حضرت قاضی قوام الدین رح ججنیری ثم رهتکی هندوستان میں آپ کے جد اعلیٰ تھے۔ ۱۲۸۷ع میں سلطان معز الدین کیقباد نے حضرت قوام الدین کے فرزند اصغر مولانا کبیر الدین اور

پوتے قاضی عماد الدین بن مولانا افتخار الدین کے پرگنہ سہم کی خدمات خطابت، تولیت، قضا، افتا اور احتساب سپرد کرکے ان کے چچا بھتیجوں کو سہم بھیجا - سہم اب ضلع رہتک کا ایک قصبہ ہے رہتک سے بیس میل اور دہلی سے چونسٹھ میل کے فاصلہ پر - مسلم عہد حکومت کے اختتام ۱۸۰۹ع تک یہ خدمات اسی خاندان میں رہیں - یہ خاندان سہم اور رہتک میں اپنے بنائے ہوئے قلعوں میں رہتا تھا - اس خاندان سے ایک بزرگ مفتی فضل اللہ عرف ماہرو شاہنشاہ ہمایوں کے دبیر تھے - ایک اور بزرگ مفتی عزیز اللہ شہید ۱۶۶۷ع شاہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے دبیر تھے - مفتی شہید کا مدرسۂ عزیزیہ دہلی میں اپنے وقت میں تعلیم قرآن کا سب سے بڑا مرکز تھا - امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح کے والد بزرگوار شیخ عبدالرحیم کا مدرسہ رحیمیہ بعد میں قائم ہوا - اسی خانوادے کے تین بزرگ شاہ رزق اللہ الملقب بحافظ عالم خان متوفی ۱۷۵۵ء، ان کے فرزند شاہ نجم اللہ رح الملقب بحافظ عالم خان ثانی (۱۷۰۱ - ۱۷۷۳ع) اور شاہ نجم اللہ رح کے بھتیجے شاہ سلام اللہ رح قلعہ معلیٰ دہلی میں شہزادوں اور شہزادیوں کی تعلیم پر مامور رہے - ۱۸۰۳ع میں انگریز سپہ سالار لارڈ لیک نے دہلی فتح کیا - اس نے پیش قدمی کرکے سکھوں سے ٹکر لینا خلاف مصلحت سمجھا اور دہلی سے پٹیالہ تک کا علاقہ اپنے وفاداروں میں تقسیم کر دیا - اس نے جھجر سے ہانسی تک کے علاقہ کی پیشکش اس خاندان کے ایک سربرآوردہ بزرگ مستقیم الدولہ محمد احسان خان بہادر نصرت جنگ صدیقی السہمی کو کی جس کے قبول کرنے سے انہوں نے معذرت کی تو یہ علاقہ بانی ریاست دوجانہ نواب عبد الصمد خان کو دے دیا -

ان مناصب کے علاوہ اس خاندان کی شہرت ان علما و مشائخ کی

وجہ سے تھی جنہوں نے ہریانہ، سوتر، میوات وغیرہ میں اشاعت و تبلیغ اسلام کی - ان محترم ہستیوں میں سے صاحب مثنوی جنون المجانین حضرت شاہ نصراللہ المتخلص بنصرتی المولد ۱۶۶۶ع، شاہ اوحد مولوی بدر الدین (۱۷۰۳ - ۱۷۹۱ع)، شاہ غلام جیلانی رہتکی (۱۷۵۰ - ۱۸۲۰ع) شاہ کمال اللہ المتوفی ۱۷۳۲ع، شاہ عبدالحکیم صدیقی السہمی (۱۷۰۹ - ۱۷۷۳ع)، ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہید (۱۷۶۹ - ۱۸۲۵ع) رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں -

پیرزادہ محمد حسین صدیقی السہمی کے والد ابو الحسن مولوی سیف الرحمان اور دادا شاہ محمد اسمٰعیل سہمی کو ۱۸۵۷ع کی جنگ آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں پھانسی دی گئی - پڑدادا شاہ عبد العظیم متوفی ۱۸۲۸ع مجذوب تھے - شاہ عبد العظیم کے والد شاہ عبد الحکیم سہمی اپنے عہد کے مشائخ کبار میں سے تھے اور ہریانی زبان کے ابتدائی مصنفین میں تھے - ان کے والد شاہ لطف اللہ الملقب بعطا محمد خان سہ ہزاری اور نائب گورنر لاہور تھے - عہد محمد شاہ میں مستعفی ہو کر خرقہ درویشی اختیار کیا - شاہ لطف اللہ رح کے برادر بزرگ حضرت شاہ کمال اللہ رح پنج ہزاری اور کتب خانہ شاہی لاہور کے ناظم تھے - ایک درویش میر ایوب بدخشی کے زیر اثر اپنے منصب کو چھوڑ کر فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کی -

بچپن پیرزادہ محمد حسین چار بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے - ایک سال کے تھے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کی فوج نے محلہ کا محاصرہ کر لیا - خواتین کو حکم ہوا کہ ایک مکان میں جمع ہو جائیں سامان اور مکان قرق کیے جائیں گے - آپ کی والدہ ماجدہ گھبراہٹ میں آپ کو چارپائی پر لیٹا چھوڑ گئیں - راستہ میں خالی گود کا احساس ہوا

تو آدمی بھیج کر آپ کو منگوایا۔ فوج نے گھر کا توا، چمٹا تک نیلام کر دیا۔ خاندان کے ایک درجن سر برآوردہ افراد کو پھانسی دی گئی جن میں آپ کے والد اور جلیل القدر دادا بھی تھے۔ آپ کا بچپن ایسی عسرت میں گزرا جہاں فاقوں کا شمار مشکل ہے۔

تعلیم | پیرزادہ محمد حسین اپنے خاندان سے پہلے فرد ہیں جنھوں نے کالجوں میں پڑھ کر باقاعدہ اعلیٰ تعلیم پائی۔ حصول تعلیم کے مدارج یہ ہیں:

(۱) پنجاب انٹرنس امتحان ۱۸۷۱ء میں شروع ہوا۔ آپ کے وطن میں صرف ایک پرائمری سکول تھا۔ ۱۸۷۵ء میں آپ نے دہلی سے انٹرنس کا امتحان دیا۔ اس وقت دہلی پنجاب کا حصہ تھا۔ پورے پنجاب میں ۱۵۹ امیدواروں میں سے ۷۵ پاس ہوئے جن میں نو مسلمان تھے۔ کامیاب امیدواروں میں آپ پانچویں نمبر پر تھے اور مسلمانوں میں سرفہرست۔

(۲) امتحان انٹرنس پاس کرکے آپ لاہور چلے آئے اور لگاتار یہاں بارہ سال مقیم رہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہو کر آپ نے ۱۸۷۹ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے ریاضی اور فلاسفی میں بی۔ اے کیا۔ ابھی تک پنجاب یونیورسٹی کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا مگر لاہور میں جو کالج تھا اسے پنجاب یونیورسٹی کالج کہتے تھے۔ اس کالج سے آپ نے ۱۸۷۹ء ہی میں ہائی پروفی شنسی ان آرٹس کا امتحان پاس کیا۔ اس امتحان میں صرف چار امیدوار کامیاب ہوئے جن میں سر فہرست آپ تھے۔ باقی تین نہال چند، ارجن سنگھ اور جرت سنگھ تھے۔ اس امتحان میں اول آنے والے کو اسی روپے ماہانہ وظیفہ ملا

کرتا تھا جسے فلر ایگزی بیشن کہا کرتے تھے۔ اس سال یہ وظیفہ آپ کو ملا۔ آپ سے پہلے یہ وظیفہ صرف نرائن داس، لال چند اور ایشور داس کو ملا تھا۔

(۳) ۱۸۸۰ء کے آنرز ان آرٹس کے امتحان میں آپ واحد کامیاب امیدوار تھے۔ اس کامیابی پر آپ کو دو اعزاز ملے۔ ایک ملیر کوٹلہ میکلوڈ میڈل اور دوسرا میکلوڈ پنجاب عربک فیلو شپ۔ میکلوڈ میڈل اسے ملتا تھا جو آرٹس، لا، میڈیسن اور انجینرنگ میں سے کسی ایک کا آنرز ہو اور سب مضامین میں کامیاب ہونے والوں میں بہترین ہو۔ ۱۸۸۰ء میں یہ تمغہ آپ کو ملا۔ آپ سے پہلے صرف بابو پنچ نند مکرجی، نرائن داس، لال چند، ایشور داس اور مولراج کو ملا تھا۔ میکلوڈ عربک فیلو شپ کی صورت میں جو اعزاز ملا اس کی صورت یہ تھی کہ فیلو شپ ہولڈر اورینٹل کالج لاہور میں اسسٹنٹ پروفیسر ہوتا تھا۔ اسے سو روپے ماہانہ ملتے۔ اس کے سپرد شعبۂ ترجمہ ہوتا۔ نیز یونیورسٹی کالج کی طرف سے کتابیں اس کی نگرانی میں طبع ہوتیں۔ آپ سے پہلے یہ اعزاز دو دو سال کے لیے لالہ مدن گوپال، بدری پرشاد اور لالہ ایشور داس کو ملا۔ آپ کے سپرد یہ خدمت ۱۸۸۰ سے ۱۸۸۵ء تک رہی۔

(۴) ۱۸۸۲ء میں پنجاب یونیورسٹی قائم ہوئی۔ پہلے سال تین حضرات نے ایم۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ جیالوجی میں امراؤ سنگھ (سکنہ ریواڑی) نے فرسٹ کلاس میں، سنسکرت میں پنڈت ہرکشن نے تھرڈ کلاس میں اور انگریزی میں

خواجہ محمد شفیع نے تھرڈ کلاس میں ۔ اگلے سال ۱۸۸۳ع میں ایم ۔ اے کے امتحانوں میں بھی تین امیدوار کامیاب ہوئے ۔ تاریخ میں چنی لال پلیڈر گورداسپور اور ارجن سنگھ ٹیچر گجرات اور فارسی میں پیرزادہ محمد حسین ۔ تینوں فرسٹ کلاس میں پاس ہوئے ۔

۱۸۶۵ع میں انجمن پنجاب نے ایک سکول کھولا تھا جسے ۱۸۷۰ع میں پنجاب یونیورسٹی کالج نے اپنی تحویل میں لیکر اورینٹل کالج لاہور بنا دیا ۔ ۱۸۸۱ع میں پیرزادہ صاحب اس کالج میں اسسٹنٹ پروفیسر اور صدر شعبۂ اردو مقرر ہوئے ۔ دو سال بعد آپ یہاں ریاضی اور فلسفہ پڑھانے لگے ۔ ان دنوں ڈاکٹر لائٹنر ایم ۔ اے، پی ایچ ڈی ۔ ایل ایل ڈی اس کالج کے پرنسپل تھے مگر اس زمانہ میں پرنسپل کو سپرنٹنڈنٹ کہتے تھے ۔

آپ پنجاب کی جماعت قانونی کے بھی رکن تھے اور اخبار انجمن پنجاب کے ایڈیٹر بھی ۔ یہ امر اکثر حضرات کی دلچسپی کا باعث ہوگا کہ پیرزادہ صاحب پنجاب یونیورسٹی سے اولیں ایم ۔ اے فارسی تھے مگر شعبۂ اردو کے صدر تھے اور ریاضی و فلاسفی پڑھایا کرتے تھے ۔ ایم ۔ اے پاس کرنے کے بعد صرف دو سال کے عرصہ میں آپ نے اسٹرونومی، ہائڈروسٹے ٹکس، جورس پروڈنس، کنسٹی ٹیوشنل لا، پولٹیکل اکانومی اور فلاسفی پر متعدد کتابیں ترجمہ کیں جن کی تفصیل کچھ دیر بعد پیش کی جائے گی ۔

ملازمت | آپ کی قابلیت سے متاثر ہو کر ڈاکٹر لائٹنر نے آپ کا نام ای ۔ اے ۔ سی کے مقابلہ کے امتحان کے لیے بھیج دیا جس میں آپ نے امتیاز حاصل کیا اور ۱۸۸۵ع سے بطور ای ۔ اے ۔ سی کام شروع کردیا

۱۸۹۰ع میں آپ ڈسٹرکٹ جج (موجودہ سینئر سب جج) ہوگئے ۔ اس حیثیت میں سولہ سال تک حصار، لاہور، ملتان، گورداسپور، دہلی، گجرات، فیروزپور اور بنوں میں رہے ۔ اس دوران کچھ عرصہ عارضی سیشن جج بھی رہے ۔ ۱۹۰۶ع میں پنجاب گورنمنٹ سے آپ کی خدمات دربار کشمیر نے مستعار لے لیں ۔ وہاں آپنے نئے ہائی کورٹ کا اجرا کیا جس کے آپ واحد جج تھے ۔ ۴ سال بعد ڈویژنل اور سیشنز جج بنا کر حصار بھیج دئے گئے ۔ ۱۹۱۰ع میں آپ کو خان بہادر کا خطاب ملا ۔ دہلی دربار ۱۹۱۱ع میں آپ کو کرسی ملی اور ۱۹۱۲ع کے آخر میں ریٹائر ہو کر آپ اپنے وطن سہم چلے گئے ۔ مگر قدرت کو آپ سے ابھی بہت سے کام لینے تھے ۔ اس لیے کچھ عرصہ بعد آپ دہلی چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی ۔

شخصیت | قد میانہ، دوہرا جسم، بڑا سر، کشادہ پیشانی، رنگ گندمی، ناک ستواں، آنکھوں میں مرعوب کن چمک تھی ۔ ہمیشہ داڑھی رکھی ۔ صرف سرکاری تقریب کے موقع پر سوٹ پہن لیا کرتے تھے ۔ ایک مرتبہ ایسی ہی ایک تقریب میں جانے کے لیے سوٹ پہن کر گھر سے نکلے آگے ایک بزرگ ڈپٹی جمیل اللہ صدیقی السہمی (۱۸۳۸ - ۱۹۲۳ع) جو دہلی میں رہتے تھے اور ڈپٹی نذیر احمد کے شریک کار و بار تھے دوسری طرف سے آ رہے تھے ۔ پاس پہنچے تو ادھر ادھر دیکھ کر کہنے لگے "محمد حسین کتا تو ساتھ ہے نہیں" صرف اتنا کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے ۔ اس دن کے بعد غالباً آپنے اپنے اس واحد سوٹ کو صندوق سے بھی نہ نکالا ۔ ملازمت سے سبکدوش ہو کر تو قطعی کھدر پوش ہو گئے تھے ۔

پیرزادہ محمد حسین مشرق شرافت و تہذیب کا ایک نمونہ تھے ۔

جدید علم اور انکسار کا شاذ حالتوں میں میل ہوتا ہے مگر یہ میل آپ کی ذات میں بہت نمایاں تھا۔ دہلی سے وطن جاتے تو قصبہ سے باہر ہی سواری سے اتر جاتے۔ راستہ میں جھاؤ نامی بنیے کی دوکان تھی جو ابتدائی جماعتوں میں آپ کے ساتھ پڑھا تھا۔ یہ بنیا آپ کو دیکھتے ہی فرط مسرت سے لپٹ جاتا اور اپنی معمولی سی دکان پر بٹھا کر کھیل بتاشوں یا گڑ سے تواضع کرتا۔ اسی بے تکلفی سے اس معمار سے ملا کرتے تھے جس کی ماں پیر زادہ صاحب کے دور عسرت میں کبھی کبھی آپ کو کھانا کھلا دیا کرتی تھی۔ وطن جا کر رشتہ داروں سے ملنے کے لیے گھر گھر جاتے اور بڑی بوڑھیوں کی دعائیں لیتے۔ صلہ رحمی کا بڑا خیال رکھتے۔ ریٹائر ہو کر چار سو سولہ روپے پنشن ملتی تھی، سو روپے بھارت انشورنس کمپنی کی ڈائریکٹری کے مل جاتے، تین سو پچاس روپے طبیہ کالج دہلی میں کام کرنے کے مل جاتے، جہاں آپ اسسٹنٹ سیکریٹری تھے۔ علاوہ ازیں عدالتیں آپ کے پاس ثالثی کے لیے مقدمات بھیجدیتیں جس کی فیس سے معقول آمدنی تھی۔ اس آمدنی میں سے آپ اپنے بعض غریب اقربا کو گھر بیٹھے وظیفہ پہنچاتے رہتے۔ خاندان کے بیسیوں بچوں کو مختلف اوقات میں اپنے پاس رکھ کر آپ نے تعلیم دلائی۔

تعمیری کام / ملازمت کے دوران آپ کا جو شعار رہا ہے اس کی ایک جھلک آپ کے ان اشعار میں ملتی ہے:

یاد رکھ کافی ہے یہ قول نبی
جائیگے دوزخ میں راشی مرتشی

عدل کی کرسی پہ تو بیٹھے اگر
رکھ نہ اپنی کوئی شے پیش نظر

دوستی اور رشتہ رکھ بالائے طاق
کیسا ہے؟ کیوں؟ یہ نہ گزرے تجھ پہ شاق

دیکھو گے ایسے بھی تم حاکم کئی
جو نہیں ہیں در حقیقت مرتشی

لینا رشوت کا سمجھتے ہیں حرام
پر سفارش سے بنا دیتے ہیں کام

یا طبیعت کے ہیں ضدی اس قدر
بیٹھ جائے بات اک دل میں اگر

یا نکل جائے زباں سے ناگہاں
اس سے ہٹنے کو وہ سمجھیں کسر شاں

عرش پر اپنا سمجھتے ہیں مقام
رکھتے ہیں انصاف کو بالائے بام

ان میں جو ہوتے ہیں بعض ایسے عزیز
کرتے ہیں ہندو مسلماں میں تمیز

فخر یہ کہتے ہیں ہم ہیں دیندار
یا دھرم پر جان ہے اپنی نثار

ہے بڑا بزدل فلاں اور ناسپاس
اپنے مذہب کا نہیں ہے اس کو پاس

اور پڑھا ہے بعض نے الٹا سبق
ڈرتے ہیں اپنوں کو دیتے ان کا حق

بے لگاؤ تاکہ لوگ ان کو کہیں
منہ کے آگے وصف تا ان کا کریں

ہیں یہ ظالم سرکشی گرچہ نہیں
سرکشی ہے ان سے تو بہتر کہیں

آپ ایک جامع الصفات بزرگ تھے ۔ بچپن میں حوادث کے جو پیہم تھپیڑے کھائے تھے انہوں نے آپ میں بے پناہ استقلال اور قوت عمل پیدا کر دی تھی ۔ علمی ذوق اور اصلاحی طبیعت ورثہ میں پائی تھی ۔ جہاں رہے وہاں اپنی ایک نہ ایک یادگار چھوڑی ۔ ملتان کی عید گاہ پر پیر زادہ صاحب کے نام کا پتھر لگا ہوا ہے ۔ یہ عید گاہ سکھ انگریز لڑائی میں مسمار ہو گئی تھی ۔ آپ نے لوگوں سے روپیہ جمع کر کے اسے پھر سے تعمیر کرایا ۔ سہم میں محلہ کی مسجد کے سامنے کے حصہ پر اپنے خرچ سے خوبصورت ملتانی ٹائلیں لگوائیں ۔ کشمیر گئے تو وہاں کے عوام اور بالخصوص مسلمانوں کی حالت کو ناگفتہ بہ پایا ۔ یہاں ذبیحہ گؤ اور قتل انسانی ایک ہی نوعیت کے جرم تھے ۔ اس بارے میں آپ کے معرکتہ الآرا مگر مدلل و دل فیصلوں سے دربار کشمیر ہراساں ہو گیا ۔ پھر کشمیر میں شرح سود پچیس فیصد تھی ۔ آپ کے پاس جو اپیلیں آتیں آپ چھ فیصد سے زیادہ کی اجازت نہ دیتے ۔ آپ نے سری نگر کی ایک برباد شدہ مسجد کی تعمیر و مرمت کرائی ۔ وہاں جمعہ کی نماز بھی ہونے لگی ۔ کشمیر کے محکمہ انصاف میں اگر کہیں اکا دکا مسلمان بھی تھا تو وہ چپراسی تھا ۔ آپ نے کئی مسلمانوں کو ملازم رکھا اور رکھوایا ۔ ہمارے محترم دوست قائد کشمیر چودھری غلام عباس راوی ہیں کہ انکے والد کو بھی پیر زادہ صاحب نے ہی ہائی کورٹ میں اہلمد رکھا اور ان پر اس قدر شفقت کرتے تھے کہ کشمیر سے جاتے وقت ایک بڑے پنجرے میں انہیں کوئی خوبصورت پرندہ دے گئے جس سے چودھری صاحب اپنے بچپن میں کھیلا کرتے تھے ۔ چودھری صاحب موصوف کے علاوہ کئی

سربر آوردہ معمر کشمیری حضرات نے راقم کو بتایا کہ بعد میں اہل کشمیر نے جو آزادی کی تحریک چلائی اس کے محرک بعید بھی پیر زادہ صاحب تھے ۔ اپنے چار سالہ قیام کشمیر میں آپ نے وہاں کے مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کر دیا کہ اگر وہ متحد ہو جائیں اور تعلیم حاصل کریں تو جابر سے جابر حاکم بھی انہیں ذلت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا ۔ کشمیر میں آپ نے اپنی معرکتہ الآرا نظم "آئینہ کشمیر" لکھی جو اس زمانہ میں ہر پڑھے لکھے کشمیری کی زبان پر تھی ۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ۔ آخر ایک سرکاری ملازم کشمیر میں بیٹھ کر اس سے بڑھ کر اور کیا کہہ سکتا تھا :

اگرچہ ہر جگہ افلاس کا غلبہ ہے خطہ میں
مسلمانوں کا لیکن حال یاں بالکل برا دیکھا
نہ ان میں علم اور دولت نہ عزت اور حکومت ہے
تجارت کے اصولوں سے انہیں نا آشنا دیکھا
اگر حرفت سے آدھا پیٹ بھر لیتے چند ان میں
تو اس پر بھی حریفوں کا دہان آزوا دیکھا
نہ ہے دربار میں ان کی رسائی اور نہ لشکر میں
مگر ہاں کفش برداروں میں اک دو کو کھڑا دیکھا
دفاتر اور مدارس اور عدالت میں ہیں وہ عنقا
ہوا کیا پانچ دس کے جو گلے میں پر تلا دیکھا
قصور انکا ہے کچھ اور کچھ ہے دوسروں کا بھی
بیان کرنا بتفصیل اس کو میں نے ناروا دیکھا
علاج اس ذلت و افلاس کا پوچھو اگر مجھ سے
تو چلتا نسخہ اس کے واسطے تعلیم کا دیکھا

اگر ہو اتفاق اس کثرت تعداد کے ہمراہ
تو یہ جانوں کہ تم نے کام سب اپنا بنا دیکھا
فقط ہے اتفاق اور کوشش کی کمی ورنہ
ذہانت میں نہ میں نے کوئی تم سا دوسرا دیکھا
تمہارے بھائی بھی پنجاب کے دینگے مدد تمکو
کہ ایسے وقت میں کب بھائی کو دیتے دغا دیکھا

ملازمت سے ریٹائر ہو کر آپ دھلی میں مقیم ہوگئے اور عمر کے بقایا سولہ سال علمی مشاغل اور قومی کاموں میں گزارے۔ آپ بیک وقت تعلیمی، علمی و ادبی، تبلیغی، سیاسی اور انتظامی کاموں میں منہمک ہوگئے۔ آپ بلدیہ دھلی کے نائب صدر بنے، صدر خود ڈپٹی کمشنر دھلی باعتبار عہدہ ہوا کرتا تھا۔ دھلی کی جامع مسجد اور مسجد فتح پوری کی ملکیت کروڑوں روپے کی جائیداد ہے۔ ایک مدت تک آپ ان دونوں مسجدوں کی کمیٹیوں کے سیکریٹری رہے۔ انگلو عربک کالج کمیٹی دھلی کے سکریٹری بھی رہے۔ گویا آپ ان تینوں اداروں کی روح رواں رہے جن کے سپرد دھلی کے مسلمانوں کی جدید اور دینی تعلیم کا کام تھا۔ دھلی یونیورسٹی ۱۹۲۳ء میں قائم ہوئی آپ شروع ہی سے یونیورسٹی کورٹ، ایگزکٹو کونسل اور فیکلٹی آف لا کے رکن تھے۔ نیز اس یونیورسٹی کی لائبریری کے آنریری لائبریرین بھی وفات تک رہے۔ آپ نے اس یونیورسٹی کو بہت سی نایاب کتابیں بھی تحفتہً دیں۔ دھلی یونیورسٹی نے آپ کو ایم اے کی اعزازی (Ad eundem) ڈگری بھی دی۔

طبیہ کالج کے تذکرہ کے بغیر آپ کے تعمیری کاموں کا بیان نامکمل رہے گا۔ مسیح الملک حکیم اجمل خان آپ کے عزیز ترین اور

بے تکلف دوست تھے۔ یہ صرف پیرزادہ صاحب کا اثر تھا کہ مسیح الملک اپنے روزانہ مشاغل اور سیاست میں انہاک کے باوجود اس عظیم ادارہ کے قیام پر آمادہ ہوئے۔ پیرزادہ صاحب نے پوری سکیم تیار کی اور اسے عملی جامہ پہنانے کا ذمہ لیا۔ طبیہ کالج کمیٹی قائم ہوئی جس کے سکریٹری مسیح الملک حکیم اجمل خان تھے اور جائینٹ سیکریٹری آپ۔ آپ کی نگرانی میں چندہ جمع ہوا اور کالج کی عمارات تعمیر ہوئیں اور جب طب مشرق کا یہ عالیشان ادارہ چلا تو اس کا انتظام دروبست آپ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ تعلق مرنے کے بعد بھی قائم رہا چنانچہ آپ کو اس کالج کے احاطہ میں ایک ممتاز جگہ پر دفن کیا گیا۔

بنیادی طور پر آپ پر سیاست کا جامہ راست نہیں آ سکتا تھا۔ مگر یہ ممکن نہ تھا کہ دھلی کے مسلمانوں کا کوئی اجتماعی کام ہو اور آپ اس میں شرکت نہ کریں چنانچہ آپ دھلی مسلم لیگ کے صدر بھی تھے۔ آپ کے ملی درد کا اندازہ اس تضمین سے ہوتا ہے جو آپ نے علامہ شبلی نعمانی کی مشہور ملی نظم ''وفد انصاری'' پر کی۔ کل ستائیس بند ہیں۔ پوری تضمین پڑھنے کے قابل ہے۔ جگہ کی قلت کی وجہ سے یہاں صرف سات بند نقل کئے جاتے ہیں:

کریگی شکر کیا اس کا زبان انسان کی بیچاری
مگر ہے فرض بندے کا رہے ذکر خدا جاری
جبیں کو خاک پر رکھ کر بصد عجز و بصد زاری
ادا کرتے ہیں ہم شکر جناب حضرت باری
کہ آئے خیریت سے ممبران وفد انصاری
سنی آہ یتیماں اور طیاری میں عجلت کی
نہ آسائش کی پرواہ کی نہ زر کی اور نہ شہرت کی

سمندر پار کر کے غازیان دیں کی نصرت کی
ہزاروں کوس جا کر بھائیوں کی اپنے خدمت کی
یہی تھا درد اسلامی یہی تھی رسم غم خواری

کسی عابد کو تم سی یہ عبادت مل نہیں سکتی
کسی زاہد کو تم سی یہ ریاضت مل نہیں سکتی
کسی صوفی کو تم سی استقامت مل نہیں سکتی
کسی کو خواب میں بھی یہ سعادت مل نہیں سکتی
مریضوں کے لیے وہ آپ کی راتوں کی بیداری

جریح تشنہ کو تلوار کا پانی پلا دینا
بلکتے بچے کو گولی کا تر لقمہ بنا دیا
بلاتا باپ کو بیٹی کی بے شرمی دکھا دینا
گھروں کو لوٹنے کے بعد زندوں کو جلا دینا
نئی تہذیب کے تم نے نئے قانون بھی دیکھے ہیں

عجب کیا ہے حمیت کا اگر چشمہ ابل آئے
عجب کیا شوکت اسلام کا نعم البدل آئے
عجب کیا ہے کوئی فاروق بھی ہم میں نکل آئے
عجب کیا ہے! کہ بیڑا غرق ہو کر پھر اچھل آئے
کہ ہم نے انقلاب چرخ گردوں یوں بھی دیکھے ہیں

کوئی بھی بات عاجز کی اگر جاتی ہے واں مانی
پہنچتی ہے اگر واں تک صدائے آہ انسانی
اگر ریش سفید بہر ہر ہے فضل ربانی
دعائے کہنہ سالاں ہے اگر مقبول یزدانی
تو اب دست دعا ہے اور یہ شبلی نعمانی

کشمیر کے مسلمانوں کے بارے میں آپ کی نظم آئینہ کشمیر سے بعض شعر پیش کیے جا چکے ہیں۔ مثنوی عقد گوہر سے انگریزوں کے بارے میں کچھ ابیات سن لیجیے۔ پیش نظر رہے کہ یہ نظم اس وقت کہی گئی جب آپ ”عارضی“ سیشن جج تھے اور خطاب یافتہ بھی۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد جو دارو گیر اور انتقامی کاروائی انگریزوں نے کی اس کا نقشہ کھینچا ہے:

عقل چلدی حاکموں کو کر سلام — سر چڑھا ان کے جنون انتقام
دعوی تہذیب سب نکلا دروغ — عقل کو غصہ کے آگے کیا فروغ
عقل اور تہذیب جب جاتی رہے — آدمیت پھر کہاں باقی رہے
حاکموں کی ہوگئیں عقلیں خفیف — بے گنہ مارے گئے لاکھوں شریف
ایک مجرم کی جگہ سو بے خطا — مار ڈالے پر نہ دل ٹھنڈا ہوا
تھی کسے فرصت بھلا تحقیق کی — لگ رہی تھی ملک میں اک آگ سی
تھی یہی کافی انہیں بس ایک دلیل — ہے یہ موقع، ہوں بڑے سارے ذلیل
جس کے ہو کہنے میں اک خلق خدا — مصلحت رکھنا نہیں اس کا بجا
ہو جو لالہ زار میں ڈوڈا بلند — خود پسندوں کو نہیں آتا پسند

اعتراض ان پر ہے اب کرنا فضول
ہوں یہی شاید حکومت کے اصول

جب آپ کا دہلی میں قیام تھا تو آریہ سماج کی طرف سے شدھی کی تحریک اپنے عروج پر تھی۔ اور مسلمانوں کو ہندو بنایا جارہا تھا۔ اس خطر ناک تحریک کے جواب میں مسلمانان ہند نے کئی تبلیغی انجمنیں بنائیں جن میں غالباً سب سے بڑی مرکزی جمعیت تبلیغ الاسلام تھی۔ آپ اس جمعیت سے وابستہ تھے۔ جمعیت کا سب سے یادگار جلسہ وہ تھا جو ۱۹۲۷ء میں دہلی میں ہوا۔ اس جلسہ

کے صدر نو مسلم انگریز الحاج لارڈ ہیڈلے فاروق تھے اور مجلس استقبالیہ کے صدر پیرزادہ صاحب۔ لارڈ ہیڈلے کی سہولت کے لئے اپنے خطبہ استقبالیہ انگریزی میں پڑھا۔ آپ نے کہا:

”شدھی سبھاؤں کی کارگزاریاں ہمارے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئیں۔ انہوں نے ہماری توجہ اس تلخ حقیقت کی طرف کرائی کہ مسلمانوں کی اکثریت جاہلیت اور اقتصادی غلامی میں مبتلا ہے اور ہمیں فوری طور پر ان کی حالت بہتر بنانی چاہئے مرکزی جمعیت تبلیغ اسلام ۔ ۔ ۔ کے مقاصد میں غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام ہی نہیں ہے بلکہ بالعموم مسلمانوں کی اخلاقی، معاشرتی اور اقتصادی بہتری ہے اور خاص طور پر نو مسلموں کی اخلاقی حالت درست کرنا ہے“

(ترجمہ)

کتب خانہ | آپ کا خاندانی کتب خانہ تو ۱۸۵۷ء میں غارت ہو گیا تھا۔ اپنے علمی ذوق کی تسکین کے لئے آپ نے متعدد کتابیں جمع کیں جن میں کئی سو قلمی نسخے بھی تھے۔ حکیم ناصر خسرو کی کتاب زادالمسافرین کا خطی نسخہ چودہ سو روپے میں خریدا۔ یہ نسخہ ۱۰۵۰ھ کا کتابت کردہ ہے۔ اور اس پر امیر الامرا نعمت علی خان کی ۱۱۲۳ھ کی مہر ہے۔ آپ کو کتابوں سے محض الماریاں سجانے کا شوق نہ تھا بلکہ آپنے ایک ایک کتاب کا مطالعہ کیا۔ آپ کے ذخیرۂ کتب کی فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں قرآن، تفسیر، رجال، حدیث، علم کلام، فقہ، تاریخ و سیر، شعرو ادب، تصوف، اخلاقیات، سفر نامے، مکاتیب، حکمت، نجوم، جفر، موسیقی، فلکیات، انگریزی قانون، ریاضی، فرہنگ اور قدیم ہندی علوم وغیرہ پر منتخب کتابیں تھیں۔ آپ کی وفات کے بعد یہ قیمتی ذخیرہ تباہ

ہونے لگا۔ حریصوں نے قیمتی اور نایاب نسخے اڑوانے شروع کردئے سینکڑوں کتابیں کرم خوردہ ہوگئیں۔ ڈاکٹر مولوی میاں محمد شفیع مرحوم کا مشرق علوم کے ساتھ شغف آپکو سہم لے گیا اور آپنے یہ کتب خانہ دو ہزار تین سو روپے کے عوض پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے لئے ۱۹۲۹ء میں خرید لیا۔ اب یہ ذخیرہ کتب پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں مجموعہ پیرزادہ کے نام سے تین حصوں پر مشتمل ہے۔ اردو کی مطبوعہ کتب حصہ اردو میں ہیں۔ عربی و فارسی کی مطبوعات بالائی منزل میں الگ الماریوں میں ہیں۔ قلمی نسخوں کی تعداد ۱۶۵ ہے اور مطبوعہ کتابیں ۸۰۹ ہیں۔

مترجم | پیر زادہ صاحب نے جن کتابوں کا ترجمہ کیا ان میں سے ہمیں مندرجہ ذیل کا علم ہو سکا ہے:

(۱) منطق استقرائی: ۱۵۷ صفحے کی یہ کتاب ۱۸۸۳ء میں انجمن پنجاب پریس لاہور نے طبع کی۔ اس کے دیباچہ میں مصنف نے بتایا ہے کہ یہ کسی خاص کتاب کا ترجمہ نہیں بلکہ فاؤلر، مل اور جیون وغیرہ کی ترجمانی ہے۔ نیز لکھا ہے کہ ”یہ حقیر کتابچہ اس ملک کے رہنے والوں کو پہلی مرتبہ طریق ہائے بیکن اور جدید فلسفہ سے متعلق معلومات فراہم کریگا اور انہیں پہلی مرتبہ یہ بتائیگا کہ یورپی سائنسی علم کی بنیاد کیا ہے۔ کس طریق سے اس کی ترقی ہوئی اور اس میں کیا کیا نقائص ہیں جن سے اسے پاک ہونا چاہئے“ اس کتاب کا ایک نسخہ ہمارے پاس ہے اور دو پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں س ۱۶۱ حسین اور ۵۲۰ حسین نمبروں پر ہیں۔

(۲) رسالہ علم سکون سیالات: یہ میکوڈ فیلو شپ کا پہلا ترجمہ پنجاب پبلک لائبریری کے نمبر س ۵۳۴ پر موجود ہے۔

(۲) مفتاح الافلاک یا علم ہئیت : ۲۷۶ صفحہ پر مشتمل یہ کتاب پرنسپلز آف پلین اسٹرونومی کا ترجمہ ہے - اسے انجمن پنجاب نے ۱۸۸۳ء میں شائع کیا - اس کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں نمبر ج ۲۰ حسین پر ہے -

(۴) رسالہ علم سیارات : ہم نے اس رسالہ کا اشتہار کتاب علم ہئیت میں دیکھا ہے -

(۵) رسالہ سیاست مدن : اس کا اشتہار رسالہ تشریحات قانونی میں ہے جس کا ذکر نمبر ۷ پر ہوگا -

(۶) سر ولیم ہملٹن صاحب کے فلسفہ کا خلاصہ : اس کا اشتہار علم اصول قانون میں دیکھا ہے جس کا ذکر نمبر ۸ پر آئیگا -

(۷) تشریحات قوانین انگلستان : بلیکسٹن کی اسی نام کی کتاب کے دیباچہ اور چھ ابواب کا اردو ترجمہ ہے - مطبع گلزار محمدی لاہور میں ۱۸۸۲ء میں طبع ہوا - اس کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری کے نمبر ۲۴۳ حسین پر ہے -

(۸) علم اصول قانون : ای ڈبلیو پارکر کی کتاب کا اردو ترجمہ ہے - ۲۵۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مطبع انجمن پنجاب لاہور نے ۱۸۸۴ء میں طبع کی - اس کا ایک نسخہ ہمارے پاس ہے -

(۹) اصول قانون : مار کبی کی اس نام کی کتاب کا ترجمہ ہے ۲۳۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب گلزار محمدی پریس لاہور میں طبع ہوئی - اس کتاب کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں نمبر س او ۲۳۰ حسین پر ہے -

(۱۰) رسالہ اقسام حقیت اراضی و طریق ہائے مالگزاری : مسٹر ہویل کی کتاب کا ترجمہ ہے -

(۱۱) سفر نامہ ابن بطوطہ : ابن بطوطہ کے سفر نامہ موسومہ عجائب الاسفار کے اس حصہ کا ترجمہ ہے جو برصغیر پاکستان و ہند سے متعلق ہے - یہ ترجمہ پہلی بار ۱۸۹۸ء میں دار الاشاعت پنجاب لاہور سے آپ کے ہم جماعت سید ممتاز علی صاحب نے شائع کیا - اسے دوسری مرتبہ ۱۹۱۸ء میں شیخ عزیز حسین شریف تاجران کتب محلہ گڑھیا جامع مسجد دھلی نے شائع کیا - دوسرا ایڈیشن ۵۳۲ صفحات پر مشتمل ہے - جن حضرات کو فن ترجمہ کا تجربہ ہے وہ اس ترجمہ کے دیباچہ میں یہ پڑھکر حیران ہونگے کہ پیر زادہ صاحب عربی کتاب سامنے رکھ کر اس کا ترجمہ لکھواتے گئے - اصل کتاب ادق عربی میں ہے اور ابن بطوطہ نے دوسری زبان کے الفاظ بلا تکلف استعمال کر کے اسے اور بھی مشکل بنا دیا ہے - عجائب الاسفار کے جس قدر ترجمے اب تک انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں ہو چکے ہیں یہ اردو ترجمہ ان میں بہترین ہے - اس ترجمہ کے بارے میں شیخ محمد اکرام سی ایس پی نے آب کوثر میں لکھا ہے :

''اس سفر نامے کا اردو ترجمہ خان بہادر مولوی محمد حسین نے بڑے سیر حاصل اور فاضلانہ حواشی اور تشریحات کے ساتھ شائع کیا ہے جس سے ترجمہ کی قدر و قیمت اصل کتاب سے دوچند ہو گئی ہے'' (ص ۴۸۵ مطبوعہ فیروز سنز ۱۹۵۲ء بار سوم)

بحیثیت شاعر | پیرزادہ صاحب شعر بھی کہا کرتے تھے - عارف تخلص تھا - گورنمنٹ کالج لاہور میں مولانا محمد حسین آزاد (۱۸۲۹ - ۱۹۱۰ء) کے شاگرد رہ چکے تھے - اس شاگردی اور کسب فیض کا تذکرہ انہی سے سنئے :

آنکھیں تو نے دیکھی ہیں آزاد کی — طرز نو کی نظم کے استاد کی
نثر جس کی نظم سے موزوں تر — نظم جس کی مفتخر اہل ہنر
جب ہوا گم ملک سے ذوق سلیم — نظم میں کی اس نے اصلاح عظیم
یہ بتایا لکھ کے نیرنگ خیال — اس طرح لکھتے ہیں نثر اہل کمال
خضر سے محروم اسکندر رہا — قوم کو آب حیات اس نے دیا
عکس کھینچا اکبری دربار کا — یہ دیا تاریخ دانوں کو دکھا
ہے مورخ کے لیے کیا کیا ضرور — خوبیاں اگلوں میں تھیں اور کیا قصور
اس طرح تاریخ اور انشا بہم — جمع کر سکتا ہے اک جادو رقم
ہوں وقائع اس میں سب دلچسپ اگر — ان سے ہوں الفاظ دل آویز تر
کم نصیبی ہے کہ وہ خورشید فن — ہے خسوف مانیا میں ممتحن

استوا پر شمس عقل آیا نہ تھا
حیف اسے ابر جنوں نے ڈھک لیا

١٨٩٨ع میں فیروزپور میں تھے کہ میرزا ارشد گورگانی سے تعلقات قائم ہوئے اور ان سے اصلاح بھی لی:

جستجو ہے کیوں کسی استاد کی — پاس ہے جب میرزا عبدالغنی
کون بہتر ارشد نقاد سے — جانتا ہے قافیہ کے قاعدے
نظم کر کے کچھ حکایات اے عزیز — اس کو دکھلا نظم ہے جس کی کنیز
مستند ہے ہند میں جس کی زباں — نقل محفل جس کی ہے طرز بیاں
نظم کے اور قافیہ کے قاعدے — وہ بتا دے گا انہیں سب یاد ہیں

آپ نے فن شاعری کا باقاعدہ مطالعہ کیا۔ خود بڑے با ضابطہ انسان تھے اس لئے اپنی شعر گوئی کا ضابطہ بھی بنایا۔ چنانچہ نظم کے شرائط کے تحت لکھتے ہیں:

شرط ہے لیکن کہ آساں ہو کلام
ہو کہیں اغلاق کا اس میں نہ نام

طرز ہو سادہ لغت بھی ہو سلیس
ہو بیاں شستہ مضامیں ہوں نفیس
رشتہ مطلب ہو گم اشعار میں
ڈھونڈتے ہی ربط مضموں کو پھریں
اور نہ ہو وہ مختصر بھی اس قدر
نفس مطلب کا ملے پاؤں نہ سر
ہو زباں وہ بولتے ہیں جس کو سب
جس سے ہوں مانوس سب کے گوش و لب
روز مرہ ہو، مگر ٹکسال کا
جس پہ ہو انگشت رکھنے کی نہ جا
فارسی کی اس میں ترکیبیں ہوں کم
ہو نہ تعقید اور تشبیہیں ہوں کم
ہوں نہ اس میں استعارات بعید
ہوں نہ الفاظ مرادف اور مزید
نظم کو پھیکی کہیں گے بے ہنر
جاہلوں کے طعن کی پروا نہ کر
لفظ ہوتے ہیں معانی کا لباس
ہے وہی اچھا جو ہو سادہ لباس

عارف سہمی کی شاعری کی چار نمایاں خصوصیات ہیں۔ پہلی یہ کہ ان کی شاعری گل و بلبل کے افسانوں سے اس حد تک پاک ہے کہ ابتدائی مشق کے زمانہ میں بھی آپ نے ایک شعر بھی رواجی طرز میں نہیں کہا۔ دوسری خصوصیت سادگی ہے۔ کسی بھی سادہ گو شاعر کا کلام پڑھ جائیے سینکڑوں الفاظ ایسے پائیں گے کہ ایک

عام قاری کو لغت کی ضرورت پیش آئے گی اور یہ بھی ممکن ھے کسی بھی اردو لغت میں ان میں سے بعض الفاظ کے معنی نہ ملیں۔ عارف مرحوم کے ھاں مروجہ اصطلاحات کے علاوہ جن کا استعمال ناگریز تھا شاید ھی کوئی لفظ ایسا ھو جو ایک معمولی استعداد کا قاری نہ سمجھ سکے۔ تیسری خصوصیت وہ ھے جو شاید آپ کو تمام اردو شعرا میں ممتاز کرتی ھے کہ رندی اور ھوسناکی کی لغت کے جو الفاظ اور ترکیبیں صوفی شعرا نے پاکیزہ جذبات و واردات قلبی کے اظہار کے لئے استعمال کیں اور اس طرح وہ ھمارے ادب کا جزو لاینفک بن گئیں انہیں بھی پیر زادہ صاحب نے استعمال نہیں کیا۔ چوتھی خوبی یہ ھے کہ عارف کا کلام ان کے تفکر و جذبات کا ھی اظہار نہیں کرتا بلکہ ان کی اپنی بے داغ عملی زندگی کی صحیح عکاسی کرتا ھے۔ یہ مختصر سا کلام مشرقی شریفانہ معیار زندگی پر ھر طرح پورا اترتا ھے۔ کلام میں سادگی پیر زادہ صاحب کی سلجھی ھوئی زندگی کی نمائندگی کرتی ھے۔ ناصحانہ انداز بیان عارف کی اپنی اصلاحی طبیعت کا آئینہ دار ھے۔ موضوعات کا تنوع شاعر کی جامع الصفات کا مظہر ھے۔ آپ کی حسب ذیل مثنویاں اور نظمیں شائع ھو چکی ھیں:

(۱) عقد گوھر موسوم بہ موتیوں کا ھار: ۱۳۲۶ اشعار پر مشتمل ھے۔ مثنوی مولانا روم کی سو حکایات کا اسی بحر میں ترجمہ ھے۔ ھر حکایت بیان کرنے کے بعد جناب عارف نے اس سے نتیجہ اخذ کیا ھے۔ کئی بار شائع ھو چکی ھے۔ اس پر علامہ اقبال نے قطعات تاریخ لکھے۔

(۲) حکایات لقمان

(۳) خون کا پیاسا

(۴) قصیدہ بانت سعاد: عربی قصیدہ کا منظوم ترجمہ ھے۔

(۵) قصیدہ بردہ: عربی قصیدہ کا منظوم ترجمہ ھے۔

(۶) ذکر العارفین: تین سو بیس شعروں میں خاکی کی نظم ورود المریدین (۹۹۱ھ) کا ترجمہ ۱۳۲۹ھ میں کیا۔

(۷) منظوم ترجمہ آیت الکرسی:

(۸) تضمین ''وفد الضاری'': علامہ شبلی کی نظم پر تضمین ھے۔

(۹) یاد حق: عراقی کی نظم پر آٹھ بندوں میں تضمین ھے۔

(۱۰) امید مغفرت

(۱۱) خیر مقدم

(۱۲) عدل اور قوم

(۱۳) زاھد خشک

(۱۴) پیر مغاں

(۱۵) شرابی اور اس کی بیوی

(۱۶) خدا خود میر ساماں ھے ھر اک بے برگ و ساماں کا

(۱۷) عروس دنیا

(۱۸) تین قطعات

(۱۹) فضل خدا

(۲۰) مینڈک اور شہزادی کا قصہ

(۲۱) آئینہ کشمیر: ۱۶۵ اشعار ھیں

(۲۲) جوان بیٹے کو باپ کی وصیت: ایک سو بائیس شعر کی نظم ھے۔ اپنے فرزند بشیر احمد بار ایٹ لا کو نصائح کی ھیں۔ پیر زادہ بشیر احمد اسی جہاز سے یورپ گئے تھے جس سے علامہ اقبال نے سفر کیا۔ دونوں نے ساتھ

تعلیم پائی - اس وصیت نامہ کا اسلوب نہایت ہی دلکش ہے - ایک معمر فاضل باپ اپنے جوان تعلیم یافتہ بیٹے کے لئے دستور العمل تیار کر رہا ہے - مگر الفاظ اتنے سادہ ہیں گویا روزمرہ کے پیار بھرے لفظوں میں نصیحت کی جا رہی ہے - آغاز یوں ہوتا ہے :

جوان تو اور میں پیر کہن سال — سرا جاتا ترا آتا ہے اقبال
ہوا مجھ سے نہ کوئی کام کا کام — پریشانی ہوا آخر کو انجام
گناہوں میں گنوائی عمر رفتہ — گزاری یونہی سال و ماہ و ہفتہ
کوئی نخل عمل ایسا لگاتا — کہ جس کے پھل کو میں اسوقت کھاتا
مگر ہے فائدہ افسوس سے کیا — کہ پچھتائے نہیں اب کام بنتا
جو اوقات عمل تھے کھو دئے سب — جگہ پھولوں کے کانٹے بو دئے سب
تری مٹھی میں ہے سرمایہ خیر — تیرے سر پر ہے چتر سایہ خیر

پھر کچھ آگے چل کر حصول تعلیم پر زور دیتے ہیں - مگر فرماتے ہیں کہ تعلیم صرف سکول اور کالجوں کی چار دیواری تک محدود نہیں - یہ لگن دم آخریں تک لگی رہنی چاہئے :

تعلم کا مگر رکھ شوق دائم — حواس خمسہ ہیں جب تک کہ قائم
نہ چھوڑو علم کو چاہے کہیں ہو — فرنگ اس کا ہو معدن یا کہ چین ہو

ساتھ ہی یہ تنبیہ کر دی ہے کہ محض کتابی کیڑے احدی ہوتے ہیں :

عمل کر اس پہ جو تو نے پڑھا ہے — کہ علم بے عمل قہر خدا ہے

اور اس عملی زندگی کی غائت بتائی ہے :

عمل کا مل چکے خلعت تو پھر کر
اسے اخلاص کی بو سے معطر

خدا کی ہے اگر تجھ پہ عنایت
تری ہر کام میں ہو گی یہ غایت
کہ خوش ہو تجھ سے تیرا حق تعالیٰ
یہی مقصد ہے ہر مقصد سے اعلیٰ
غرض تیری نہ کوئی درمیاں ہو
ریا کا بھی نہ اس میں کچھ نشاں ہو
رہے گا اپنی ہر کوشش میں ناکام
اگر تو چاہتا ہے کام میں نام
مفید اپنے لئے بھی جان اسی کو
کہ جس میں بہتری کل قوم کی ہو
نہیں جس دل میں درد قوم پنہاں
نہ دیکھو گے نشاں اخلاص کا واں
جو کام اخلاص سے ہوتا ہے عاری
اسے کہتے ہیں دانا خام کاری
مگر یہ یاد رکھنا اے مری جان
نہیں ہرگز نہیں، اخلاص آساں
بہت سی مشکلیں آئیں گی در پیش
کہ سد راہ ہوں گے غیر اور خویش
جو اس رستہ میں رکھنا ہے قدم کو
تو وقف قوم کر دے اپنا دم کو

غریب اور بے کسوں سے تعلق رکھنے کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے :

مدد اک صفر کو دائیں لگائیں — تو دہ چند اپنی عزت کو بڑھائیں

ایک سے زیادہ شادیوں سے متعلق فرمایا :

نہیں گر کوئی امر سخت مانع　　تو رہنا ایک ہی بیوی پہ قانع
کبھی بھی دوسری شادی نہ کرنا　　اور اپنی خانہ بربادی نہ کرنا

مندرجہ بالا نظموں میں سے آخری اٹھارہ یکجا ''خزینہ عارف یعنی مجموعہ نظم عارف'' کے نام سے رحمانی پریس میں طبع کرا کے محمد نذیر حسین حافظ محمد شریف حسین تاجران کتب دہلی نے شائع کیں۔ یہ مطبوعہ نسخہ ہمارے پیش نظر ہے۔

منظور الحق صدیقی ' ایم۔ اے
کیڈٹ کالج ' حسن ابدال